# میری والدہ مرحومہ

ابتسام الٰہی ظہیر

میرے شہید والد علامہ احسان الٰہی ظہیر شاید مسلک و قوم کی اتنی خدمت نہ کر سکتے اگر والدہ مرحومہ کی استقامت اور صبر و استقلال آپ کے ساتھ نہ ہوتا۔ ہر صالح و متقی خاتون دعوت حق کی راہ میں پیش آنے والی صعوبتوں پر اپنے سرتاج کی ہمت بندھاتی اور یاس و قنوطیت کو اس کے قریب نہیں آنے دیتی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو " انی خشیت علی نفسی " کے کلمات کہہ کر اس خدشے کا اظہار کیا کہ ان کی جان خطرے میں ہے تو حضرت خدیجہؓ نے کمال استقامت و جرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا تھا " کلا " ہرگز نہیں " انک تحمل الکل و تقری الضیف و تعین علی نوائب الحق " آپ غم کے مارے ہوئے لوگوں کا بوجھ ہلکا کرتے ہیں مہمان نوازی آپ کی خو میں شامل ہے اور مصائب حق میں آپ بہترین معاون ثابت ہوتے ہیں۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ہمارے لئے بہترین نمونہ ہے اور یہی بات ہے والد شہید بھی دعوت حقہ کا علم بلند کئے بلا خوف و خطر اپنا راستہ طے کرتے رہے اور جام شہادت نوش کر کے اپنی منزل کو پہنچ کر دم لیا اور والدہ مرحومہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کی سیرت پر عمل پیرا رہیں اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سنت و سیرت کے دامن کو تھامے رہیں۔ والد شہید پر ہر دور حکومت میں مقدمات بنائے گئے قید و بند کی سزا دی گئی اور مختلف حربوں سے آپ کو اپنے موقف سے دستبردار کرانے کی کوشش کی گئی ایسے جاں گداز مواقع پر اگر رفیقہ حیات کا تعاون حاصل نہ ہو تو استقامت کا مظاہرہ کرنا تقریباً ناممکنات ہی سے ہوتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ والدہ مرحومہ نے نہ صرف صبر و تحمل کا دامن تھامے رکھا بلکہ ڈھارس بندھانے میں بھی حیرت ناک حد تک کردار ادا کیا۔ والد شہید جب مدینہ یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہو کر آئے تو انہوں نے کاروبار اور حصول معاش کے لئے تگ و دو پر دین کے لئے کام کرنے کو ترجیح دی اس اثناء میں آپ کو بہت سی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ تنگ و تاریک گلیوں میں رنگ محل لاہور کے اندر ایک چھوٹا سا مکان تھا۔ ابو بتایا کرتے تھے کہ اس

وقت مجھ پہ بہت زیادہ آزمائشیں آئیں اور اگر آپ کی امی مستقل مزاجی کا مظاہرہ نہ کرتیں تو شاید میں اس مقام پر نہ پہنچتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ آپ کی امی نہ صرف علمی گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں بلکہ خود بھی علم و عرفان کے زیور سے آراستہ ہیں۔ یہ کلمات کہنے کے بعد ہمیں بھی حصول علم کی ترغیب و تشویق دلاتے۔ ہمارے ابو زیادہ تر یا تو بیرون ملک سفر میں رہے اور اندرون ملک بھی ہوتے تو ان کا اکثر وقت زیادہ تر گھر سے باہر ہی گزرتا ہماری امی جان ہی ہماری تربیت کرتیں۔ فجر اور عشاء کی نمازوں کے متعلق سختی کے ساتھ محاسبہ کرتیں۔ تلاوت قرآن پر بہت زیادہ زور دیتیں۔ سکول کا کام خود کرواتیں۔ عربی و فارسی کے علاوہ انگلش میں بھی خاصی مہارت رکھتی تھی۔ نانا ابو (شیخ الحدیث حضرت مولانا حافظ محمد گوندلوی رحمتہ اللہ علیہ) کی شخصیت کا ان پر گہرا اثر تھا۔ ہروقت ذکر الٰہی میں مصروف رہنا ان کی پختہ عادت تھی۔ غیبت اور کثرت کلام سے سخت متنفر تھیں۔ خاموش طبع اور غیر معمولی حد تک متحمل اور برد بار تھیں۔ زجر و توبیخ سے بھی کام لیتیں مگر نرم دل اتنی تھیں کہ فوراً آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے اور ہمیں منانے میں لگ جاتیں۔

سیاسی بصیرت کی حامل تھیں ' حالات و واقعات پر انہیں گہری گرفت تھی۔ ہر موقف پر انہوں نے جرات و استقامت کا مظاہرہ کیا۔ والد شہید کے کیس کا مسئلہ ہو یا ان کی فکری جدوجہد کا "بریلویت" کے خلاف میاں شہباز شریف کی ہرزہ سرائی ہو یا وزارت اوقاف کی طرف سے تفسیر ثنائی کے خلاف فرقہ وارانہ اور مذموم کاروائی۔ ہر موڑ پر انہوں نے والد شہید کی سی جرات کا مظاہرہ کیا۔ اللہ کی راہ میں خوف و خطر کا مقابلہ جس انداز سے والد شہید نے کیا وہی انداز ہم نے اپنی امی جان میں پایا۔ حالات جو رخ بھی لیتے امی بہادری سے ان کا سامنا کرتیں۔

ریاض سے جب ابو کی شہادت کی خبر ہمارے چچا ڈاکٹر فضل الٰہی صاحب نے دی تو امی جان ہی نے فون سنا۔ فون سن کر انہوں نے آنسوؤں کو ضبط کرنے کی پوری کوشش کی۔ آنسو تو ضبط نہ ہو سکے مگر زبان سے ایک لفظ بھی ادا نہ کیا صرف یہی کہا "**انا للہ وانا الیہ راجعون**" اور آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ ہم نے سمجھا شاید ابو جان کی متاثرہ ٹانگ کا کاٹ دیا گیا ہے مگر امی جان نے کہا "علامہ صاحب اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں" اور ساتھ ہی آنسو پونچھ کر ہمیں

تسلیاں دینے لگ گئیں۔ قرآن و حدیث کے حوالے دیئے اور سب بچوں کو اپنے ساتھ لگا کر صبر و تحمل کی تلقین کی۔ ان کے وجود اور صبر و استقلال نے ہمیں بھی ابو کے نہ بھولنے والے غم کو بھلا دیا۔ وہ ہماری امی تو تھیں ہی ابو بن کر بھی دکھایا۔ ان کا وجود ہمارے لئے اشک شوئی کا باعث تھا۔ انہیں والد شہید کی خواہشات کا اس قدر خیال تھا کہ انہوں نے ابو کی شہادت کے بعد ان کی ہر خواہش کی تکمیل کی' ہر خاندانی ادھورے کام کو مکمل کیا۔ ان کی یاد میں ماہنامہ ترجمان السنہ کا اجراء کیا۔ ابو کی خواہش تھی کہ وہ مجھے انجینئر بنائیں۔ ہشام کو حافظ قرآن اور بڑی باجی کو سائیکالوجسٹ۔ امی نے ابو کی ان خواہشات کا احترام کرتے ہوئے انہی بنیادوں پر ہماری تعلیم کو جاری رکھا۔ مگر یہ اللہ کی مرضی تھی کہ امی نے باجی کو تو ایم ایس سی کی ڈگری وصول کرتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا مگر مجھے انجینئرنگ کی ڈگری وصول کرتے ہوئے نہ دیکھ سکیں۔ پھر اس سے بھی بڑی ان کی خواہش یہ تھی کہ وہ انجینئرنگ کی تعلیم مکمل کروانے کے بعد مجھے مدینہ یونیورسٹی بھیجنا چاہتی تھیں۔ اس سلسلہ میں شیخ ابن باز اور ڈاکٹر عبد اللہ صالح العبید سے بذریعہ خط و کتاب پروگرام بھی طے ہو چکا تھا۔ اور پھر چھوٹے بھائی ہشام کے حفظ قرآن کی تکمیل کے موقعہ پر خاندان والوں کو بلا کر خوشی کی ایک وسیع تقریب منعقد کروانا چاہتی تھیں۔ اس تقریب کا خاکہ بھی ہمیں بتایا کرتی تھیں۔ بارہا اس کا ذکر کرتیں۔ ہشام کو شوق دلاتیں۔ اللہ کی تقدیر کے آگے کسی بڑے سے بڑے انسان کے عزائم کچھ حیثیت نہیں رکھتے۔ " **عرفت ربی بفسخ العزائم** " حضرت علیؓ کے اس قول کا مفہوم ہے کہ میں نے اپنے رب کو ارادوں کے ٹوٹ جانے اور پایہ تکمیل تک پہنچانے میں بے بسی سے پہچانا۔ امی کا ارادہ کچھ اور تھا اور اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ابھی ہشام کے صرف تین پارے باقی تھے کہ وہ دار آخرت کو سدھار گئیں۔ ہسپتال میں امی جان بے ہوشی کی حالت میں تھیں اور ہشام دعا مانگ رہا تھا کہ اے اللہ میری امی کو صحت عطا فرما دے اب میں حفظ قرآن کے لئے مرکز جانے میں کوئی ناغہ نہیں کروں گا۔ ہشام جس دن حفظ قرآن کے لئے مرکز میں قاری صاحب کے پاس نہ جاتا امی جان کا وہ دن جس تلملاہٹ اور قلق و اضطراب سے گزرتا اسی سے ہم امی جان کے قرآن مجید سے لگاؤ کا اندازہ کر لیتے۔

امی جان پردے کی سخت پابند تھیں۔ پردے کا جو اہتمام ہمارے گھر میں ہے بہت کم گھروں

میں اس انداز سے شرعی پردے کی پابندی دیکھنے میں آتی ہے۔ قریبی رشتہ داروں سے بھی جو غیر محرم ہیں سختی سے پابندی کرواتیں۔

امی جان نے ہمیں ابو جان کی شہادت کے بعد کسی احساس محرومی کا شکار نہ ہونے دیا۔ ہماری ہر جائز خواہش پوری کرتیں۔ ہمارا معیار زندگی وہی رہا جو ابو جان کے دور میں تھا۔ ہم جس چیز کی خواہش کا اظہار کرتے فوراً منگوا دیتیں۔ ہماری خوشیوں میں شریک ہوتیں۔ خوش رہتیں اور خوش رکھتیں۔ ہمارے خاندان کے کسی فرد کو امی جان سے کوئی شکایت نہ تھی۔ خندہ پیشانی سے ملنا ان کی فطرت میں شامل تھا۔ تعزیت کے موقع پر آئی ہوئی خواتین نے امی جان کی اس عادت کا بالخصوص ذکر کیا۔

زکوٰۃ کی ادائیگی کا خصوصی اہتمام کرتیں۔ دارالحدیث چیپانوالی کو ہر سال والد شہید کے وقت جو مد مخصوص تھی اہتمام سے ادا کرتیں۔ نام نہیں لینا چاہتے بہت سے خاندانوں کو بھی مشاہرہ دیتی تھیں۔ کچھ مساجد کی تعمیر میں بھی انہوں نے بھرپور حصہ لیا۔ کسی سائل کو رد نہ کرتیں۔

جب حکومت نے ابو جان کی شہادت کے بعد ۵۰ ہزار روپیہ معمول کی کارروائی کے بطور ہمارے گھر بھجوایا تو امی جان نے ۵۰ ہزار روپیہ کا چیک یہ عبارت لکھ کر واپس کر دیا کہ ہمیں پچاس ہزار روپیہ نہیں قاتلوں سے قصاص چاہیے۔ امی کی عظمت کا یہ واقعہ جنگ اخبار کے صفحہ اول کی زینت بھی بن چکا ہے۔

علاوہ ازیں انشورنس والوں نے بھی کچھ رقم بطور عطیہ دینا چاہی مگر انہوں نے اس سے بھی استغناء ظاہر کیا۔

ان کی وفات سے قبل گھر سے تقریباً ایک لاکھ کے زیورات کی چوری کا واقعہ بھی ہوا مگر انہوں نے اس پر بھی صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا۔ کچھ دنوں بعد باجی کی شادی تھی۔ چوری کے اس واقعے کا شادی کی تقریب پہ کوئی اثر نہ ہونے دیا۔ ہمیں بھی تلقین کی کہ مصیبت و پریشانی اللہ کی طرف سے آتی ہے۔ اس کا خندہ پیشانی سے استقبال نہ کیا جائے تو حاصل بھی کچھ نہیں ہوتا اور انسان اجر و ثواب سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ جو تقدیر میں تھا وہ تو ہو گیا۔ تقدیر سے الجھو گے تو مزید دکھ اٹھاؤ گے۔ ہر پریشانی کو صبر و ہمت سے برداشت کرو اللہ اجر و ثواب بھی دے گا اور

حزن و غم سے بھی بچا لے گا۔

امی جان کی وفات پر ان کے یہ کلمات ہمارے کانوں میں گونج رہے تھے۔ امی کی یہ نصیحتیں ہمارے لئے تعزیتی کلمات اور ہمارے لئے ان کی وفات کا غم ہلکا کرنے کا ذریعہ بن گئے۔ انہوں نے ہمارے لئے دینی کتب کا بالعموم اور صحاح ستہ مترجمہ کا بالخصوص اہتمام کر رکھا تھا۔ امی کو خود بھی قرآن و حدیث پر عبور تھا۔ سب بچوں کو بھی اس کی طرف توجہ دلائی۔ ہماری ایک باجی کو خصوصی طور پر ایم اے اسلامیات کے امتحان کی طرف رغبت دلائی۔ انہی کی رغبت پر وہ ایم اے اسلامیات کی تیاری کر رہی ہیں۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ والدہ مرحومہ اہل حدیث ٹرسٹ بورڈ کی چیئرمین بھی تھیں اور جماعتی اختلافات کے بعد انہوں نے مالی تعاون کو مرکز اہل حدیث تک محدود کر دیا تھا۔ والدہ کی دو بہنیں ہیں اور دو بھائی ہیں۔ ایک بھائی سعودی عرب میں انجینئر ہیں اور دوسرے گوجرانوالہ میں ڈاکٹر۔ ایک ہمشیرہ ( ہماری خالہ جان ) گوجرانوالہ میں اپنا سکول چلاتی ہیں اور دوسری لیکچرر ہیں اور یوں سارا خاندان اللہ کے فضل سے زیور علم سے آراستہ ہے۔ نانی جان ابھی زندہ ہیں اور وہ بھی عالمہ فاضلہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کا سایہ تادیر ہمارے سروں پر رکھے۔ آمین

۱۹ جنوری بروز اتوار عصر کا وقت تھا۔ امی جان نے روزہ رکھا ہوا تھا۔ میں حسب معمول انجینئرنگ یونیورسٹی سے گھر آیا۔ امی جان نے کچھ گھبراہٹ اور تکلیف کا اظہار کیا میں نے کہا روزہ کھول لیں۔ نفلی روزہ ہے۔ امی کی طبیعت دیکھ کر میں نے کہا تکلیف زیادہ ہی لگتی ہے مگر امی جان نے اپنی پریشانی ظاہر نہ ہونے دی۔ وہ دکھ درد خود تو سہہ لیتیں ہم پر اپنا دکھ ظاہر نہ کرتیں کہ کہیں بچے پریشان نہ ہو جائیں۔

میرے دو بہنوئی ہیں ڈاکٹر محمد اکرام اور شیخ عدنان سرور۔ اس وقت اتفاق سے ڈاکٹر محمد اکرام موجود تھے۔ ہم دونوں امی جان کو ہسپتال لے کر گئے۔ ہسپتال پہنچ کر انہوں نے باآواز بلند تین دفعہ کلمہ طیبہ کا ورد کیا اور پھر غنودگی طاری ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں موت کے وقت کلمہ طیبہ پڑھنے کی توفیق عطا فرمائی۔ یہ ان کے دین سے لگاؤ اور ہر وقت اللہ کی یاد میں مصروف رہنے کا صلہ تھا۔ موت سے تو کسی کو چھٹکارا نہیں مگر ایسی قابل رشک موت ہر کسی کا نصیب نہیں۔ مغرب سے قبل ہی ڈاکٹروں نے امی جان کی موت کی تصدیق کر دی اور ہم اللہ کی رضا پر